انگریزی رسوم و تمدن کا مختصر جائزہ

ڈاکٹر زاہد الحق ایم ڈی (کولمبو) لاہور

یہ عنوان حیرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ فکر انگیز بھی ہے۔ انگریز نے برصغیر پر تقریباً دو صدیوں تک حکومت کی۔ اس سے قبل مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کے رسم و رواج پر ہندو رسم و رواج کی گہری چھاپ تھی۔ جب انگریز حاکم مطلق بنا تو اس نے اپنی برتری کچھ اس طرح اپنی محکوم قوم کے ذہن میں نقش کر دی کہ وہ انگریز کی ہر ادا میں اپنی کامیابی سمجھنے لگے۔ ابتدا میں تو وہ صرف انگریز کی نقل کر کے خود کو حاکم کے برابر سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا رہے۔ پھر آہستہ آہستہ انگریز کے طریقے ان کی زندگی میں اس طرح داخل ہو گئے کہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے باوجود اس کے رسم و رواج سے آج تک چھٹکارا نہ پا سکے۔ مغربی اقوام نے مادی ترقی خوب حاصل کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تمام ترقی ہم ان کے رسم و رواج اپنا کر حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کہ مغربی اقوام کی تمام تر ترقی کی بنیاد اسلامی اصول ہیں۔ جھوٹ سے پرہیز، اعلیٰ اخلاق اور کسی کا حق نہ مارنا، صفائی وغیرہ کیا یہ اسلامی اصول نہیں ہیں؟ آج ہماری زبانیں مغربی اقوام کے یہ اوصاف گنواتے نہیں تھکتیں۔ کیا ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں بارہا ان اصولوں پر چلنے اور ان اوصاف کو اپنانے کی تلقین نہیں کی؟ لیکن ہم اپنی تمام تر کامیابی کا دارومدار انگریزی رسومات کے اپنانے میں سمجھتے ہیں۔

حالانکہ ہماری دونوں جہانوں کی کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی

کریم ﷺ کے مبارک طریقوں کے مطابق عمل کرنے میں ہے اب یہ کیسے ہوگا۔ اس کے لئے محنت بلکہ سخت محنت کی ضرورت ہے۔ آج ہم دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے کام کے متعلق یہ یقین بنائے بیٹھے ہیں کہ یہ بغیر محنت کے نہیں ہو سکتا۔ جب اسلام کا مسئلہ آتا ہے تو ہم کہتے ہیں۔ دعا کیجئے یعنی اتنے بڑے اسلام کے کام کے لئے محنت کی بجائے صرف دعا کافی ہے اور ذرا سے کام کے لئے دن بھر محنت کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ میں گھر بیٹھ کر دعا کرتا رہوں اور گھر پر ہی دن بھر کی اجرت پہنچ جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا مفہوم ہے "جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔" اب ہم تمنا تو یہ کرتے ہیں کہ ہمارا حشر نبی کریم ﷺ اور صحابہ اکرامؓ کے ساتھ ہو۔ مگر ہمارا عمل ان کے اعمال سے بالکل مختلف ہے۔ آخر کیوں؟۔ آیئے ایک نگاہ ان یہود و نصاریٰ کی رسومات و اعمال پر ڈالتے ہیں جن میں مسلمان قوم بری طرح مبتلا ہے۔

سالگرہ

ضروری نہیں کہ انگریز جو بھی کام کریں وہ عقل و فہم کے مطابق ہو۔ انگریز کی اکثر رسومات حماقت سے بھرپور ہوتی ہیں جس میں سالگرہ سرفہرست ہے۔ اسے انگریز کی طرف منسوب کرنے کا سب سے بڑا ثبوت انگریزی زبان کے وہ الفاظ ہیں (جنہیں ادا کئے بغیر یہ تقریب مکمل نہیں ہو سکتی) HAPPY BIRTH DAY TO YOU ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ کوئی بھی سالگرہ مبارک یا اس قسم کے دیگر الفاظ نہیں کہتا۔ ویسے بھی یہ وبا انگریز کی آمد سے

پہلے بالکل ناپید تھی بلکہ جب انگریز نے برصغیر کی عوام کے ذہنوں میں اپنی محکومی کا اچھی طرح سکہ جما لیا تو اس کے بعد انگریز کے غلام ذہنوں نے اسے اپنایا۔ سب سے پہلے ہم اس کا عقلی طور پر جائزہ لیتے ہیں۔

سالگرہ کا عقلی جائزہ

۱۔ سالگرہ ہمیشہ سال کے اختتام پر منائی جاتی ہے نہ کہ سال کے شروع میں یعنی اگر کسی کی تاریخ پیدائش یکم جنوری ہے تو وہ اپنی سالگرہ یکم جنوری کو ہی منائے گا۔ دو جنوری کو نہیں۔ اب آپ ذرا سوچئے کہ عمر کا ایک سال کم ہو جانے پر خوشی منانا کون سی عقل مندی ہے۔؟

۲۔ جس کی سالگرہ منائی جاتی ہے وہ اپنی عمر کے سالوں کی تعداد کے برابر موم بتیاں کیک پر روشن کرتا ہے اور پھر ان تمام موم بتیوں کو پھونک مار کر بجھاتا ہے اور تمام حاضرین تالیاں بجاتے ہیں۔

تالیاں صرف دو موقعوں پر بجائی جاتی ہیں۔ ایک خوشی کے موقعہ پر یعنی کسی کے کسی کارنامہ پر داد دیتے ہوئے۔ دوسرے کسی کی حماقت پر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے۔ اب یہاں ایک شخص اپنی زندگی کے قیمتی سالوں کی شمعیں خود ہی پھونک مار کر بجھا رہا ہے تو یہ نہ تو خوشی کا موقعہ ہے نہ اس شخص کا کوئی کارنامہ ہے۔ اس لئے یہ تالیاں صرف اس شخص کی حماقت پر اس کا مذاق اڑانے کے لئے ہی بجائی جاتی ہیں۔ اب ذرا غور فرمایئے اپنی اس حماقت پر کہ لوگوں کو بلوا کر تالیاں بجوانا کہاں کی عقل مندی ہے؟ جب کہ تالیاں بجانا بھی غیر مسلموں کا شعار ہے۔

۳۔ سالگرہ پر عمر کا ایک سال کم ہوتا ہے نہ کہ عمر ایک سال زیادہ ہوتی ہے۔

اسلام کی رو سے سالگرہ کا جائزہ

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی امت کو ایک عظیم مقصد کے لئے اس دنیا میں مبعوث کیا گیا ہے۔ دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ چند لوگوں کو اپنے خزانے میں یہ کہہ کر داخل کرے کہ میں کسی بھی وقت تمہیں باہر نکال دوں گا۔ اس وقت جس کے پاس جو چیز ہو گی وہ اسی کی ملکیت قرار دی جائے گی۔ اندر ایک طرف سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف ہیرے جواہرات پڑے ہیں۔ کہیں اعلیٰ کھانے ہیں اور کہیں نرم نرم بستر ہیں۔ اب کچھ لوگ تو یہ سوچ کر کہ نہ جانے بادشاہ کب ہمیں باہر نکال دے اور باہر جا کر ہمارے پاس کچھ سرمایہ ہو گا تو ہم خود ہی اعلیٰ بستر اور اعلیٰ کھانوں کا بندوبست کر لیں گے۔ اس لئے اس وقت کو غنیمت جان کر ہیرے جواہرات اکٹھے کر لیں جب کہ دوسرے گروہ نے سوچا کہ ابھی تو ہم آئے ہیں۔ پہلے کھانا کھائیں۔ پھر آرام کریں۔ بعد میں خزانہ بھی لے لیں گے ابھی تو کافی وقت ہے۔ وہ کھانا کھا کر سو گئے اور کمائی کا قیمتی وقت کھانے اور سونے میں گذار دیا۔ اچانک بادشاہ نے سب کو باہر نکال دیا۔ تو جو لوگ جواہرات وغیرہ لے کر آئے تھے ان کی بعد والی طویل زندگی آرام سے گزری اور جنہوں نے اپنے قیمتی وقت کو عیش و آرام میں گذار دیا تھا وہ پچھتاتے رہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے کیونکہ یہاں پر رہ کر آخرت کی طویل اور لامحدود زندگی کے آرام کے لئے کمائی کرنی ہے اور حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے

کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق و افسوس نہیں ہوگا۔ بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر گذر گئی ہو۔

صاف ظاہر ہے جب اس دنیا میں جو دار العمل ہے۔ ہر ہر مرتبہ اللہ جل شانہ کے پاک نام کا ذکر کرنے پر جو انعامات نظر آئیں گے تو یہ افسوس تو ہوگا ہی کہ اگر ہم دنیا میں وقت ضائع کئے بغیر مزید وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارتے تو مزید انعامات کے حق دار ہوتے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے جب تک پانچ سوال نہ کرلئے جائیں۔"

۱۔ عمر کس مشغلہ میں ختم کی۔

۲۔ جوانی کس کام میں خرچ کی۔

۳و۴۔ مال کس طرح کمایا اور کس کس مصرف میں خرچ کیا۔

۵۔ اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا۔؟

جس شخص کو یہ فکر ہو کہ آخرت میں میں نے ان سوالوں کے جوابات دینے ہیں۔ وہ عمر کے قیمتی سال کے کم ہو جانے پر کس طرح خوشی منا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ اسلام اسراف کی قطعاً اجازت نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ امت کے غریب، مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ کیونکہ مالداروں کو اپنے مال کا حساب دینے میں دیر ہو جائے گی۔ سالگرہ پر خرچ ہونے سے نہ تو اسلام کا کوئی فائدہ ہے۔ نہ غریبوں کا بھلا۔ کیونکہ ایک حدیث کے مفہوم کے مطابق۔

"بدترین کھانا دعوت ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں غریب اور مستحق شامل نہ ہوں اور مالدار بلائے جائیں۔

سالگرہ کا ایک بڑا مقصد نمود و نمائش ہوتا ہے جب کہ اسلام ہمیں سادگی کی تلقین کرتا ہے اس کے نتیجہ میں غریب میں احساس محرومی اور امیر میں احساس برتری بڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی محفلوں میں راگ، رنگ، ویڈیو فلم اور دیگر تصاویر سازی غیر شرعی اور ناجائز و حرام امور کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ان امور کی حرمت پر مفصل فتاوی اور واضح دلائل موجود ہیں جو یہاں طوالت کے خوف سے نہیں نقل کئے جاسکتے۔

نیل پالش و ناخن بڑھانا

تقلید مغرب میں بطور فیشن میک اپ کے لئے استعمال کی جانے والی انتہائی مضر چیزوں میں سے ایک نیل پالش ہے۔ تمام طبی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ غیر معیاری نیل پالش کے استعمال سے ناخن کی قدرتی چمک ضائع ہو جاتی ہے۔ ہر جگہ معیاری کی نسبت غیر معیاری زیادہ استعمال ہوتی ہے۔ اور پھر معیاری نیل پالش کی بھی کوئی گارنٹی نہیں۔ پھر اس کے طویل مدت کے استعمال سے مضر اثرات وجود میں آتے ہیں۔ پھر چونکہ ہم انگریز کے ذہنی غلام ہیں۔ اس لئے ان کی بنی ہوئی چیز ہی ہمارے لئے معیاری قرار پائے گی لہذا اسے منگوانے کے لئے ملک کا قیمتی زرمبادلہ خرچ کر کے ملک کو مزید پسماندگی کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ

نیل پالش واٹر پروف میٹریل سے تیار کی جاتی ہے یعنی جس جگہ پر نیل پالش لگی ہو اس جگہ پانی کا اثر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ انگریز کی اندھی تقلید میں ہم اسے بطور فیشن استعمال تو کر رہے ہیں لیکن اس کے استعمال سے ہمارا کتنا بڑا نقصان ہو رہا ہے اس پر ہم نے کبھی غور نہیں کیا۔ اسلامی احکامات کا علم ہم نے کبھی حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

حالانکہ غسل میں تمام جسم کا اس طرح تر کرنا کہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے فرض ہے۔

اب اگر جسم کے کسی حصہ پر آٹا لگا ہوا ہو یا پینٹ لگا ہوا ہو۔ تار کول لگا ہو یا نیل پالش لگی ہو تو بدن کے اس حصہ تک پانی نہیں پہنچے گا اور غسل ناقص رہ جانے کی بناء پر غسل نہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ اب یہ شخص ناپاک ہے۔ اس صورت میں اگر یہ قرآن کو ہاتھ لگاتا ہے تو ثواب کی بجائے گناہ کماتا ہے۔ تلاوت کرتا ہے تو گناہ، نماز پڑھتا ہے تو گناہ۔ یہاں تک کہ اگر مسجد میں داخل بھی ہو تو پھر بھی گناہ ہو گا۔

اسی طرح وضو میں بھی اعضائے وضو کو اچھی طرح دھونا اور تر کرنا واجب ہے۔

اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہاتھوں، چہرے اور پاؤں پر کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جو کہ پانی کو جسم تک پہنچنے سے روکنے کا باعث ہو۔ ورنہ وضو نہ ہو گا اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی سنت ہے کہ ناخن کاٹے جائیں۔ آپ ﷺ

ایک جمعہ چھوڑ کر اگلے جمعہ کو ناخن تراشا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل سلیم سے نوازا ہے۔ ناخن نہ کاٹنا جانوروں اور درندوں کی خصلت ہے اور وہ ان کے لئے شکار وغیرہ میں مفید ہوتے ہیں جب کہ ہم اشرف المخلوقات ہونے کے دعوے دار اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ان کے اندر میل جم کر ہماری صحت کے لئے مضر ہو گی۔ ویسے بھی کٹے ہوئے ناخن بڑھے ہوئے ناخنوں سے زیادہ خوبصورت لگتے ہیں لیکن ہم اس کا اظہار کرتے ہوئے اس لئے ڈرتے ہیں کہ مغرب کی اندھی تقلید میں اگر ہم پیچھے رہ گئے تو لوگ بے وقوف کہیں گے حالانکہ بے وقوف تو مغرب والے ہمیں اب بھی کہتے ہیں کہ ہم اپنی اعلیٰ اقدار کو چھوڑ کر ان کی مصنوعی زندگی (جس سے وہ اب بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں) اپنا رہے ہیں۔ نیل پالش لگانے کے لئے ہی ناخن بڑھائے جاتے ہیں۔

ہمارے پاس نیل پالش کا بہترین نعم البدل مہندی کی صورت میں موجود ہے۔ جس کی اسلام نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ عورت کے ہاتھوں کے لئے بہتر قرار دیا ہے۔ نیل پالش کی صورت میں ہم جو اسراف کرتے ہیں اس کی بھی اسلام میں بالکل گنجائش نہیں ہے۔

اگر کسی خاتون کو نیل پالش سے متعلق تمام مسائل کا علم ہو اور وہ ان اوقات میں نیل پالش لگائے جب کہ اسے غسل اور وضو کی حاجت نہ ہو۔ اس صورت میں اس کے لئے لگانا تو جائز ہے لیکن اس میں ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ اسے دیکھنے والی تمام خواتین کو مسائل کا علم نہ ہو گا۔ وہ صرف اسے لگی دیکھ کر لگانے کی ترغیب حاصل کریں گی۔ اسے دیکھ کر جو خاتون بھی اس پر عمل کرے گی اس کا گناہ اس ترغیب دلانے والی کو ملے گا یا تو یہ ساتھ ساتھ مسائل بھی سب کو

بتاتی رہے جو ایک مشکل عمل ہے۔ اس لئے نیل پالش لگانے سے پرہیز ہی کرنا چاہیئے۔ اس کی بجائے مہندی لگائی جائے تو خوبصورتی کے علاوہ اس سے اشتباہ اور غلط فہمی بھی نہیں ہو گی۔

اپریل فول

ماہ اپریل کی پہلی تاریخ کو لوگوں کو بے وقوف بنانے کا عظیم مظاہرہ کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں بڑی تعداد میں اخلاقی و معاشی نقصانات، اموات، ایکسیڈنٹ اور ذہنی شاک اور جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ اور سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس ذہنی پسماندگی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا تمام دارومدار جھوٹ جیسی ذلیل بیماری پر ہوتا ہے۔

۱۔ فائر بریگیڈ والوں کو فون پر اطلاع ملتی ہے کہ فلاں جگہ آگ لگی ہوئی ہے۔ وہ بے چارے جب سازوسامان لے کر مذکورہ جگہ پہنچتے ہیں تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پیچھے کسی حقیقی ضرورت مند کو فائر بریگیڈ کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ غیر متعلقہ جگہ پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے بروقت اس کے مہیا نہ ہونے سے آگ سے اچھا خاصا نقصان ہو جاتا ہے۔

۲۔ کسی کو جھوٹی خبر ایسی سنائی جاتی ہے کہ صدمے سے اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔

۳۔ کسی کو دفتر میں خبر ملتی ہے کہ تمہارے بچے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا جس سے متاثر ہو کر وہ گاڑی یا سکوٹر پر بیٹھ کر جلد از جلد پہنچنے کی کوشش میں اپنا ایکسیڈنٹ کرا بیٹھتا ہے۔

۴۔ کسی کو اس کی بیوی کے متعلق ایسی جھوٹی خبر سنائی جاتی ہے کہ وہ غصے میں سے طلاق دے بیٹھتا ہے۔

۵۔ اور جب متاثرہ شخص کو حقیقت کا علم ہوتا ہے تو وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ نہ جانے کتنے گھروں کا سکون و چین اس ایک دن کی کاروائی سے رخصت ہو جاتا ہے۔

احادیث پاک میں جھوٹ کو تمام برائیوں کی جڑ فرمایا گیا ہے۔ ایک ارشاد نبوی کا مفہوم ہے کہ

انسان لوگوں کو ذرا سا ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے لیکن اسے علم نہیں ہوتا کہ اس جھوٹ کی وجہ سے کتنی دور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے

لعنتہ اللہ علی الکاذبین

جھوٹوں پر اللہ کی لعنت

اب اگر قرآن پڑھنے والا جھوٹ بولتا ہو گا تو اس لعنت کا مستحق ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے معراج کی رات دیکھا کہ ایک شخص کے گلے زنبور سے چیرے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ شخص جھوٹا تھا۔ دنیا میں بہت جھوٹی باتیں کیا کرتا تھا۔ اب قیامت تک اسے یہی سزا دی جاتی رہے گی۔ (اور قیامت کے بعد نہ جانے کیا سزا ملے؟)

یہ بات نہیں کہ اسلام تنگ نظر ہے اور اس میں مزاح کی اجازت نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کرنا ہے اسلام کے دائرے میں رہتے

ہونے کرنا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ سلم بھی مزاح فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس طرح کہ اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک ضرورت مند نے آپ ﷺ سے اونٹ مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہم آپ کو اونٹ کا بچہ دیں گے۔ اس نے کہا کہ میں اونٹ کے بچے کو کیا کروں گا۔ نہ وہ سواری کے قابل نہ بوجھ اٹھانے کے قابل۔ آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا کہ اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس شخص نے پھر لینے سے انکار کیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر اونٹ اونٹنی ہی کا تو بچہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک بوڑھی عورت نے پوچھا کہ میں جنت میں جاؤں گی کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بوڑھا جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ سن کر بوڑھی عورت رونے لگیں۔ پھر آپ نے وضاحت فرمائی کہ تمام بوڑھے جنت میں جانے سے پہلے جوان ہو جائیں گے۔ یہ سن کر وہ عورت خوش ہو گئی۔

الغرض آپ کے مزاح میں شائستگی ہوتی تھی۔ کسی کی دل آزاری یا نقصان نہ ہوتا تھا۔ جھوٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فسٹ ایپریل فول

انگریزی تہذیب کی ایک رسم بد "فسٹ ایپریل فول" ہے جب نوجوان طلبا طالبات میٹرک کے بعد پہلے دن کالج داخلے کے بعد پہنچتے ہیں تو سیکنڈ ایئر اور دوسری بڑی کلاسوں والے طلبا و طالبات انہیں طرح طرح سے بے وقوف بناتے ہیں مثلاً کسی نے آفس کا پتہ پوچھا تو اسے لیٹرین کا راستہ بتا دیا اور جب وہ لیٹرین پہنچا تو شور مچا دیا۔ فسٹ ایپریل فول۔ کسی کے نئے لباس کو رنگ بھری پچکاری سے

رنگین کر دیا۔ کسی کے پیچھے قمیض پر فسٹ اپریل فول لکھ دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس تمام احمقانہ کاروائی کا یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ اس طرح نئے طلباء کو کالج کے ماحول سے روشناس کرا کر بے تکلفی پیدا کی جاتی ہے۔ یعنی پہلے تم اساتذہ کے زیر اثر تھے اب مادر پدر آزاد ہو۔

اس تمام کاروائی میں بھی جھوٹ بولنے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں پہلے فسٹ اپریل فول کے عنوان سے لکھا جا چکا ہے۔ یہاں ان باتوں کا ذکر مناسب ہو گا جو پہلے عنوان میں نہیں آئیں۔ دراصل یہ دونوں عنوان نام اور کام کے لحاظ سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ دونوں فولز (جھوٹ) شرعاً و اخلاقاً کئی خرابیوں کا باعث ہیں۔

اس میں مسلمان کی دل آزاری اور مالی نقصان ہوتا ہے۔ اکثر طلباء جو کالج میں داخلے لیتے ہیں وہ غریب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور بڑی مشکل سے پیسے اکٹھے کر کے داخلہ جمع کراتے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ مذاق اور ان کے کپڑوں کا یہ حشر۔ ایک مسلمان کی دل آزاری کا باعث نہیں؟ کیا یہ جائز ہے؟۔

ہم مسلمان ہیں۔ اسلام نے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی بہن کے کچھ حقوق رکھے ہیں۔ ایک مسلمان کی عزت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت ہی زیادہ ہے۔ اس لئے ہمیں ایک مسلمان کی عزت و احترام بہت ہی زیادہ کرنا چاہیئے نہ کہ اس کا مضحکہ اڑاتے رہیں۔

کسی مسلمان کو اگر آپ کی مدد کی ضرورت ہو تو اس کی مدد کرنی چاہیئے نہ یہ کہ اس کو اذیت پہنچائی جائے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ

جو شخص کسی مسلمان کی ایک شرعی حاجت پوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس

پر ۷۳ رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ جس میں سے ایک رحمت اس کے دنیا کے تمام کاموں کے لئے کافی ہے۔ بقایا ۷۲ رحمتیں آخرت میں درجات بلند کرنے کے کام آئیں گی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندق آڑ فرما دیتے ہیں اور ایک خندق کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔

مسلمان کی دل آزاری ویسے بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ ہم چونکہ مسلمان ہیں اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر کام کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ قرآن وسنت کی رو سے یہ کام آخرت کے لئے نقصان دہ تو نہیں۔

۲۔ عقلی لحاظ سے بھی یہ دعویٰ غلط ہے کہ اس سے بے تکلفی ہوتی ہے۔ آپ اگر نئے طلباء کے کام آئیں گے ان کا کام کریں گے تو زیادہ دوستی اور بے تکلفی ہو گی۔ نہ یہ کہ ان کی دل آزادی میں۔ پھر یہ کہ انگریزوں کے طریقہ میں لڑائی، بیزاری کدورت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

وگ

عموماً جو شخصیات اپنے سر کے گنج سے پریشان ہوں وہ وگ استعمال کرتی ہیں۔ لیکن ایک دوسرا طبقہ بطور فیشن ان کا استعمال کرتا ہے۔ یہ بازار سے مختلف سائز اور ڈیزائن میں دستیاب ہیں۔ یہ فیشن زیادہ تر خواتین میں اور تھوڑا بہت

مردوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث پاک پیش خدمت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خون اور کتے کی قیمت اور حرامکاری کی آمدنی سے منع فرمایا ہے اور سود کھانے اور کھلانے والے، مصنوعی بال ملانے والی (یعنی بیوٹی پالر والی ناقل) ملوانے والی (یعنی وگ لگوانے کے لئے بیوٹی پارلر جانے والی ناقل) اور (جاندار کی) تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بددعا کی ہے۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں سر کے بالوں کا جوڑا مثل کوہان کے بنانے اور بنوانے سے سختی سے منع فرمایا ہے لیکن آج ہم مغربی اقوام کی تقلید میں اندھے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو فراموش کر چکے ہیں۔ کیا بعید ہے کہ مقلدین یورپ آئندہ سر پر استرا پھروا کر اس پر قدیم افریقی قبائل اور ریڈ انڈین کی طرح رنگین نقش و نگار بنایا کریں کیونکہ یورپ میں یہ فیشن آج کل زور پکڑ رہا ہے۔

خوشی کا اظہار، تالیاں بجا کر؟

یہ ایک عام دستور بن گیا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور خوشی کا اظہار کرنا چاہیں تو سب تالیاں بجاتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو داد دینے کے لئے بھی تالیاں بجائی جاتی ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کا مضحکہ اڑانے کے لئے تالیاں بجتی ہیں لیکن انہیں تالیاں پیٹنا، بولا اور لکھا جاتا ہے۔

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ آخر دینی اجتماعات و مجالس، بزرگان دین و اکابر

علماء اور زعماء کی مجالس و تقاریر میں اظہار خوشی و حوصلہ افزائی کی یہ صورت کیونکر اختیار نہیں کی جاتی؟ اور نہ کبھی نعت و حمد کے دوران یا آخر میں تالیاں بجائی جاتیں۔ چلئے اسے بھی چھوڑیئے مسجد کے اندر کسی بھی تقریب میں کبھی تالیاں نہیں بجائی جاتیں۔ اس لئے کہ یہ رسم اسلام کے مزاج کے منافی اور مذہب بیزار لوگوں کی اختراع ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس سے لے کر کبھی اور کسی دور میں اس کا وجود نہیں ملتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ تالیاں بجانا نہ صرف خلاف ادب ہے بلکہ دین اسلام کی روح کے منافی ہے۔ تالیاں بجانا ساز وغیرہ کا ایک حصہ ہے۔ صحابہ کرامؓ خوشی کے موقعہ پر "سبحان اللہ" کہا کرتے تھے اور آخر میں جزاک اللہ کہا کرتے تھے۔ اگر آج ہم بھی اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق ڈھال کر اسلام کو صرف مسجد میں مقید کرنے کی بجائے اپنی چوبیس گھنٹوں کی زندگی کو نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے مطابق گذارنے کی کوشش کریں تو ہم دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی زندگی میں کامیاب ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے جنت میں اتنا بڑا درخت لگ جاتا ہے کہ اس کے سایہ میں اگر ۵۰۰ سال تک عربی گھوڑا دوڑتا رہے تو بھی درخت کا سایہ ختم نہیں ہوتا اور جو ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللہ پڑھتا ہے اس کا ثواب ایسا ہے جیسے کسی نے سو عربی غلام آزاد کئے ہوں۔

اب ہماری مرضی ہے کہ ایک فضول رسم کو اپنائے رکھیں یا ایک بامقصد طریقہ کو اپنا کر دونوں جہانوں کی کامیابیاں حاصل کر لیں۔

تعزیت پر چند منٹ کی خاموشی

مغرب کی بیوقوفانہ رسومات میں سے یہ بھی ایک رسم ہے کہ اگر کوئی انتقال کر جائے تو اسمبلی وغیرہ کے اجلاس میں دو منٹ سے پانچ منٹ تک خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ حیرت ہے اس بے عقلی پر کہ آخر اس خاموشی سے بے چارے مرنے والے کو کیا فائدہ؟ مگر چونکہ دانایان افرنگ کا دستور ہے اس لئے ہم بھی اس کے اپنانے پر مجبور ہیں ورنہ مرنے والے کے ایصال ثواب کے لئے آنحضرت ﷺ نے بہت سے مفید طریقے بتلائے اور سکھائے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہو اور بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو اور وہ اس وقت دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح میت بھی زندوں کے ایصال ثواب کی محتاج ہوتی ہے اس لئے چاہیئے کہ اس کی طرف سے صدقہ خیرات کیا جائے اور سب سے بڑھ کر اس کی اولاد کو دین کی طرف راغب کر کے دین کی محنت پر لگایا جائے۔ اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کی جائیں۔ نیک اولاد والدین کے لئے سب سے اچھا صدقہ جاریہ ہے اولاد جتنے بھی نیک کام کرے گی والدین کے خود بخود درجات بلند ہوں گے۔

مغربی جمہوریت

ہمارا یہ المیہ ہے کہ آج تک مغربی جمہوریت سے نجات پا کر اسلامی طریقہ انتخاب اختیار نہ کر سکے حالانکہ اسی مغربی جمہوریت کی خاطر ہم نے بے شمار

قربانیاں دیں اور اسی کی وجہ سے ناقابل تلافی نقصانات اٹھائے۔ قیام پاکستان کے وقت بھی مسلمان کے اکثریتی علاقے ہندوستان میں شامل کر دیئے گئے۔ حالانکہ تاثر یہ دیا ہے کہ مغربی جمہوریت میں عوام کی اکثریتی پارٹی کی حکومت ہوتی ہے۔ یعنی براہ راست عوام کی حکومت ہوتی ہے۔ لیکن یہ تاثر اور دعویٰ بالکل غلط ہے۔ مثلاً ایک حلقہ انتخاب میں کل ہزار ووٹ ڈالے گئے ہوں۔ وہاں سے پانچ امیدواروں نے حصہ لیا ہو۔ تین امیدواروں کو ۲۰۰، ۲۰۰ ووٹ ملیں۔ ایک کو ۱۵۰ اور ایک کو ۲۵۰ حد دووٹ ملے ہوں تو آخری امیدوار جو کہ صرف ۲۵۰ ووٹ لے سکا ہے کامیاب قرار دے دیا جائے گا۔ ۷۵۰ ووٹ ضائع ہوئے یعنی ۷۵۰ ووٹر ایسے شخص کو حاکم ماننے پر مجبور ہیں جس نے صرف ۲۵۰ ووٹ حاصل کئے ہیں۔ اس کیس میں عوام کی اکثریت کے فیصلہ کی کیا اہمیت ہوئی؟

اسی طرح ایک جماعت ایک صوبے سے اتنی زیادہ سیٹیں حاصل کرے کہ بقایا صوبوں کی سیٹیں مل کر بھی اس کی حاصل کردہ تعداد سے کم ہوں۔ اب ایک صوبہ کا نمائندہ تمام ملک پر حکومت کرنے کا حقدار قرار دیا جائے گا۔ اس طرح بقایا صوبوں میں احساس محرومی پیدا ہو گا۔ پہلے اسی مغربی جمہوریت کی کرشمہ سازی سے ملک دولخت ہو چکا ہے۔ اس طریقہ انتخاب میں پہلے امیدوار ووٹر خریدتا ہے پھر امیدوار کو وزیر اعلیٰ اور وزیر اعظم خریدتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں متناسب نمائندگی طریقہ انتخاب کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں عوام کی اکثریت نمائندوں کی حکومت ہوتی ہے اس میں امیدوار کی بجائے پارٹی اور منشور کو ووٹ دیا جاتا ہے اور وہ پارٹی حاصل کردہ ووٹوں کے تناسب سے اسمبلی میں سیٹوں کی حقدار قرار دی جاتی ہے اور پھر پارٹی ان سیٹوں

پر اپنے نمائندے نامزد کرتی ہے۔ اس طریقہ انتخاب کے مندرجہ ذیل فوائد بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ملک میں کہیں بھی رہنے والا شخص اپنی ہم خیال پارٹی اور منشور کو ووٹ دے سکتا ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص اس بات پر مجبور نہیں ہوتا کہ اپنی پارٹی کا امیدوار نہ ہونے کے باعث دوسرے امیدوار کو ووٹ دے یا سرے سے ووٹ ہی نہ دے۔

۲۔ عوام کی اکثریت کے ووٹ حاصل کرنے والی جماعت ہی اکثریت کی نمائندہ کے طور پر اقتدار سنبھالتی ہے۔

۳۔ نہ تو کوئی ووٹر خریدتا ہے نہ عوام کا نمائندہ خریدا جاسکتا ہے۔

۴۔ عوام پارٹی کی قیادت سے منشور پر عمل نہ کرنے پر یا اس کے نمائندوں کے غلط کاموں پر جواب طلب کر سکتے ہیں۔

۵۔ نامزد نمائندہ اپنی پارٹی کو جوابدہ ہوتا ہے۔ اور روز پارٹیاں نہیں بدل سکتا پارٹی بدلنے سے پہلے اسے سیٹ کی قربانی دینی پڑتی ہے جو اسی صورت مین دے گا جب کہ واقعی پارٹی سے اس کا حقیقی اختلاف ہو۔ ذاتی مفاد نہ ہو۔

۶۔ ملک کے کسی بھی حصہ کے عوام کو احساس محرومی نہیں ہو سکتا کہ میرا ووٹ ضائع ہوا یا میرا نمائندہ اسمبلی تک نہیں پہنچا۔

۷۔ ہارس ٹریڈنگ اور فلور کراسنگ کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

اسلامی طریقہ انتخاب

لیکن یہ دونوں طریقے اسلامی نہیں ہیں۔ اسلام گدھے اور گھوڑے کو ایک ترازو میں تولنے کا قائل نہیں ہے۔ بقول علامہ اقبال

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اس کے علاوہ اسلام میں کسی ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیا جاتا جو اس کا خواہشمند ہو۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے۔

۱۔ اگر کوئی شخص عہدے کا طالب نہ ہو اور اسے اس کی اہلیت کی بناء پر عہدہ دے دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو اس کی مدد کے لئے مقرر فرما دیتا ہے جو تمام امور میں اس کی مدد کرتا ہے لیکن اگر اس کے برعکس کوئی شخص عہدے کا طالب ہو (خواہ وہ اس کا اہل ہی ہو) اور اسے عہدہ دے دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال نہیں ہوتی۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں جتنے امیدوار خود کو عہدے کے لئے پیش کرتے ہیں وہ خود ہی فرمائیں کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو گی؟ اگر نہیں تو وہ ملک کیونکر چلائیں گے؟ ہاں اگر اپنے آپ کو پیش نہ کرنے میں ملک قوم اور اسلام۔

۲۔ اسلام میں (مشورہ دینے والے) مشیر اور رائے دینے والے کا صاحب الرائے ہونا بہت ضروری ہے۔

ووٹ ایک قسم کی گواہی اور شہادت ہے کہ میں اس شخص کے بارہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اچھا آدمی ہے اور یہ اس عہدہ کا اہل ہے اور میں اسے اچھا سمجھتا ہوں۔

مشیر اور گواہ کا اسلام میں ایک معیار مقرر کیا گیا ہے جو کہ کتب فقہ میں تفصیل سے مذکور ہے۔ اگر ووٹ دینے والا اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اسلامی رو

سے اسے ووٹ یعنی شہادت دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ یعنی جب اسے اچھے یا برے کی تمیز ہی نہیں ہے تو وہ امیدوار کی اہلیت کا اندازہ کیسے لگا سکتا ہے۔

ہم نے خود دیکھا ہے کہ ہمارے محلے میں ایک پاگل شخص کو اک پارٹی کے کارکن لے گئے اور اپنے امیدوار کے نشان کو سمجھا کر مہر لگوا دی۔ دوسری مرتبہ وہی کارکن دوسری پارٹی کے امیدوار کے لئے کام کر رہے تھے تو اسی پاگل شخص کا ووٹ دوسری پارٹی کو ڈلوا دیا۔

۳۔ امیدوار کی بھی اسلام نے اہلیت مقرر کی ہے۔ اگر وہ اس اہلیت پر پورا نہیں اترتا تو وہ الیکشن میں حصہ ہی نہیں لے سکتا۔ لیکن موجودہ صورتحال میں جب ووٹرز کو باکردار امیدوار ہی نہیں ملتا تو وہ کسے ووٹ دیں؟ ظاہر ہے جو انہیں زیادہ پیسے اور مراعات دے گا۔ اسے ہی ووٹ دیں گے۔ اور پھر وہ امیدوار اپنے پیسے پورے کرنے کے لئے ملک کے خزانہ کو لوٹے گا یا منافع حاصل کرنے کے لئے اپنی وفاداری بیچ دے گا۔

۴۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ "دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔" یہ نہیں کہ اپنی مرضی کے احکامات پر عمل کر لیا باقی کو چھوڑ دیا۔ ایسی قوموں کا حال قرآن پاک میں تفصیل سے مذکور ہے جو کہ صرف اپنی پسند کے احکامات پر عمل کیا کرتی تھیں۔ یہ یہودی طرز فکر ہے۔ لہذا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم زبان سے تو یہ اقرار کرتے ہیں کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے لیکن زندگی کے مختلف شعبوں میں ہم قرآن و سنت اور علماء حق سے راہنمائی حاصل کرنے کی بجائے۔ اغیار کے نظاموں سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج

اس مملکت خداداد میں جو کہ صرف اور صرف اسلام کے نفاذ کے لئے حاصل کی گئی تھی۔ یہ کہا جارہا ہے کہ یہ ملک تو ہندو کی معاشی غلامی سے آزادی کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ آج مشاہدہ کا دور ہے نئی نسل دیکھ رہی ہے کہ پاکستان کا مسلمان معاشی لحاظ سے ہندوستان کے مسلمان سے بہت ترقی کر گیا ہے جب کہ ایمان کے لحاظ سے ان سے کمزور ہوتا جارہا ہے۔ اس مشاہدہ سے نئی نسل یہی نتیجہ اخذ کرے گی کہ قوم آزادی کے بعد سب سے پہلے اپنا مقصد آزادی حاصل کرتی ہے اور وہ پاکستان کے مسلمان نے دولت کما کر حاصل کر لیا ہے۔

عید کارڈ

یہ رسم فرنگی اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی گھرانہ اس سے محفوظ ہو گا۔

(الف) اسے رسم فرنگی اس لئے کہا ہے کہ ان کا اسلامی تاریخ میں کہیں حوالہ نہیں ملتا البتہ انگریز کرسمس کارڈ ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں۔ اسی کی نقل میں مسلمانوں نے بھی یہ رسم بد شروع کر دی۔

(ب) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے جب تک یہ سوال نہ کر لئے جائیں۔

۱۔ عمر کس مشغلہ میں ختم کی۔

۲۔ جوانی کس کام میں خرچ کی۔

۳۔ مال کس کس طرح کمایا تھا اور کس کس مصرف میں خرچ کیا تھا۔

۴۔ اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا؟

اس حدیث پاک کی روشنی میں اگر ہم جائزہ لیں تو ہم جو کچھ کماتے ہیں اس کے مالک ہم نہیں بلکہ وہ ہمارے پاس ہمارے رب کی امانت ہے۔ ہم اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہیں کر سکتے کیونکہ آخرت میں ہم نے یہ حساب دینا ہے کہ جو کمایا وہ کہاں خرچ کیا؟ اسی لئے اسلام میں فضول خرچی کی سختی سے ممانعت آئی ہے۔ ایک عید کارڈ کو اندرون ملک بھیجنے پر کم از کم ۶ روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ پھر جسے بھیجا جائے جوابی کاروائی کے طور پر وہ بھی بھیجنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح طرفین کے ۱۲ روپے کم از کم خرچ ہو جاتے ہیں لیکن طرفین کو نہ دین کا فائدہ ہوتا ہے نہ دنیا کا۔

گھر کا ایک ایک فرد کئی کئی عید کارڈ بھیجتا ہے۔ لیکن جب اسی گھر کے افراد کو صدقہ فطر (جو کہ واجب ہے) کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ کم سے کم نصاب کے ذریعے حساب کر کے پورا پورا دینے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں حساب سے زیادہ نہ دے دیا جائے۔ یہ ان لوگوں کی بات ہے جو کہ صدقہ فطر دیتے ہیں جو سرے سے دیتے ہی نہیں ان کا تو ذکر ہی کیا حاصل کلام یہ کہ

عید ایک خالص مذہبی تہوار ہے۔ اسے خالص اسلامی طریقے سے ہی منانا چاہیئے نہ کہ کرسمس کی نقل کر کے غیر سے مشابہت دی جائے اور نہ ہی غیر اسلامی طریقہ پر فضول خرچی سے کہ جس سے نہ تو عید کارڈ وصول کرنے والے کو اس دنیا کا کوئی مالی فائدہ ہو اور نہ ہی آخرت میں کچھ کام آئے بلکہ اس کی بجائے ایکدوسرے کو تحائف دیں جس کی ترغیب احادیث مبارکہ میں آئی ہے کہ ایک دوسرے کو ہدیہ دینے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ تقریباً عید کارڈ کے برابر پیسے خرچ کر کے آپ دوسروں کو مختصر اسلامی کتب بھجوا سکتے ہیں۔

(بشکریہ بینات بتصرف)